دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۲۱ تا ۲۹

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ
وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا
تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا
عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ
وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا
رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ
مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا
یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ
اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا
الْفٰسِقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۪ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ

اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾﴾

سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع میں قرآن کی دعوت کا خلاصہ آ گیا ہے کہ قرآن اپنے مخاطب کو کیا ماننے کی دعوت دیتا ہے اور اُس کی پکار کیا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں' سورۃ البقرۃ کے نزول سے قبل دو تہائی قرآن نازل ہو چکا تھا۔ ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے وہ قرآن بعد میں آئے گا' لیکن ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے وہ پس منظر میں موجود ہے۔ لہٰذا سورۃ البقرۃ کے پہلے دو رکوعوں میں مکی قرآن کے مباحث کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اور تیسرے رکوع میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور لبِّ لباب آ گیا ہے' جبکہ قرآن مجید کا فلسفہ اور بعض نہایت اہم موضوعات و مسائل کا خلاصہ چوتھے رکوع میں بیان ہوا ہے۔ اب ہم تیسرے رکوع کا مطالعہ کر رہے ہیں:

آیت ۲۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''اے لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس ربّ (مالک) کی جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے جتنے لوگ گزرے ہیں (انہیں بھی پیدا کیا) تاکہ تم بچ سکو۔''

یہ قرآن کی دعوت کا خلاصہ ہے اور یہی تمام انبیاء و رُسل ﷺ کی دعوت تھی۔ سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں ایک ایک رسول کا نام لے کر اس کی دعوت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی اور الٰہ اُس کے سوا نہیں ہے''۔ سورۃ الشعراء میں رسولوں کی دعوت کے ضمن میں بار بار یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿﴾﴾ ''پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔'' سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت ان الفاظ میں بیان ہوئی: ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۳﴾﴾ ''کہ اللہ کی بندگی کرو' اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!''

پھر از روئے قرآن یہی عبادتِ ربّ انسان کی غایتِ تخلیق ہے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ

الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذّٰریٰت) ''اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی صرف اس لیے کیا ہے کہ ہماری بندگی کریں۔'' چنانچہ تمام رسولوں کی دعوت یہی ''عبادتِ ربّ'' ہے اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی دعوت بھی یہی ہے' لیکن یہاں ایک بہت بڑا فرق واقع ہوگیا ہے۔ وہ یہ کہ باقی تمام رسولوں کی دعوت کے ضمن میں صیغۂ خطاب ''یٰقَوْمِ'' ہے۔ یعنی ''اے میری قوم کے لوگو!'' جبکہ یہاں صیغۂ خطاب ہے: ''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ'' یعنی ''اے بنی نوعِ انسان!'' معلوم ہوا کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے پہلے تمام رسول ؑ صرف اپنی اپنی قوموں کی طرف آئے' جبکہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری اور کامل رسول ہیں جن کی دعوت آفاقی ہے۔

عام طور پر لوگ جو غلط راستہ اختیار کر لیتے ہیں اُس پر اِس دلیل سے جمے رہتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد کا راستہ یہی تھا۔ ﴿الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ کے الفاظ میں اس دلیل کا ردّ بھی موجود ہے کہ جیسے تم مخلوق ہو ویسے ہی تمہارے آباء واجداد بھی مخلوق تھے' جیسے تم خطا کر سکتے ہو اسی طرح وہ بھی تو خطا کر سکتے تھے۔ لہٰذا یہ نہ دیکھو کہ آباء واجداد کا راستہ کیا تھا' بلکہ یہ دیکھو کہ حق کیا ہے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''تاکہ تم بچ سکو'' یعنی دنیا میں افراط وتفریط کے دھکوں سے بچ سکو اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ سکو۔ ان دونوں سے اگر بچنا ہے تو اللہ کی بندگی کی روش اختیار کرو۔

آیت ۲۲ ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً﴾ ''جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا اور آسمان کو چھت بنا دیا۔''

﴿وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ ''اور آسمان سے پانی برسایا''

﴿فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾ ''پھر اُس (پانی) کے ذریعے سے (زمین سے) ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا۔''

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾ ''تو ہرگز اللہ کے مدّ مقابل نہ ٹھہراؤ جانتے بوجھتے۔''

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جب تم بھی مانتے ہو کہ اس کائنات کا خالق اللہ کے سوا کوئی نہیں' تو پھر اس کے شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اہل عرب یہ بات مانتے تھے کہ کائنات کا خالق صرف اور صرف اللہ ہے' البتہ جو اُن کے دیوی دیوتا تھے انہیں وہ سمجھتے تھے کہ

یہ اللہ کے اوتار ہیں یا اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ ہیں' اُس کے محبوب ہیں' اُس کے اولیاء ہیں' اُس کی بیٹیاں ہیں' لہٰذا یہ شفاعت کریں گے تو ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ کائنات کا خالق ایک اللہ ہے' وہی اس کا مدبر ہے تو اب کسی کو اس کا مدّ مقابل نہ بناؤ۔

اَنْدَاد ''نِدّ'' کی جمع ہے' اس کا معنی مدّ مقابل ہے۔ خطبۂ جمعہ میں آپ نے یہ الفاظ سنے ہوں گے: ''لَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) ''یہ کہ تو اس کا کوئی مدّ مقابل ٹھہرائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔''(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کسی درجے میں کوئی شریک یا مدّ مقابل نہیں ہے۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ اُمت کو اس درجے توحید کی باریکیوں تک پہنچا کر گئے ہیں کہ ایسے تصورات کی بالکل جڑ کٹ جاتی ہے۔ ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ کے سامنے ایسے ہی کہہ دیا: ''مَاشَاءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتَ'' یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰهِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ)) ''کیا تو نے مجھے اللہ کا مدّ مقابل بنا دیا ہے؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تنہا اللہ چاہے۔''(۲) اس کائنات میں مشیت صرف ایک ہستی کی چلتی ہے۔ کسی اور کی مشیت اس کی مشیت کے تابع پوری ہو جائے تو ہو جائے' لیکن مشیتِ مطلقہ صرف اُس کی ہے۔ یہاں تک کہ قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (القصص:۵۶)

''(اے نبیؐ!) یقیناً آپؐ جسے چاہیں اُسے ہدایت نہیں دے سکتے' بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

اگر ہدایت کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہوتا تو ابوطالب دنیا سے ایمان لائے بغیر

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' باب قوله تعالیٰ: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب کون الشرك اقبح الذنوب..... الخ۔

(۲) ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبدالوہاب نے ''کتاب التوحید'' میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((اَجَعَلْتَنِیْ وَاللّٰهَ عَدْلًا؟)) ''کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟'' (مرتب)

رخصت نہ ہوتے۔

ان دو آیتوں میں توحید کے دونوں پہلو بیان ہو گئے' توحید نظری بھی اور توحید عملی بھی۔توحید عملی یہ ہے کہ بندگی صرف اُسی کی ہے۔اب اگلی آیت میں ایمان بالرسالت کا بیان آ رہا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا ﴾ ''اور اگر تم واقعتاً شک میں ہو اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اتارا اپنے بندے پر (کہ یہ ہمارا نازل کردہ ہے یا نہیں)''

﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص﴾ ''تو لے آؤ ایک ہی سورت اس جیسی۔''

''تعارف قرآن''[1] میں یہ بات تفصیل سے بیان کی گئی تھی کہ قرآن حکیم میں ایسے پانچ مقامات ہیں جہاں پر یہ چیلنج موجود ہے کہ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ کلام محمد (ﷺ) کی اختراع ہے تو تم بھی مقابلے میں ایسا ہی کلام پیش کرو۔سورۃ الطور کی آیات ۳۳'۳۴ میں ارشاد ہوا: ''کیا ان کا یہ کہنا ہے کہ اسے محمد (ﷺ) نے خود گھڑ لیا ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ماننے کو تیار نہیں۔پھر چاہیے کہ وہ اسی طرح کا کوئی کلام پیش کریں اگر وہ سچے ہیں''۔سورۂ بنی اسراءیل (آیت ۸۸) میں فرمایا گیا کہ ''اگر تمام جن وانس جمع ہو کر بھی اس قرآن جیسی کتاب پیش کرنا چاہیں تو ہرگز نہیں کر سکیں گے' چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں''۔پھر سورۂ ہود (آیت ۱۳) میں فرمایا گیا کہ ''(اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجیے (اگر پورے قرآن کی نظیر نہیں لا سکتے) تو ایسی دس سورتیں ہی گھڑ کر لے آؤ!'' اس کے بعد مزید نیچے اتر کر' جسے برسبیلِ تنزل کہا جاتا ہے' سورۂ یونس (آیت ۳۸) میں اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آنے کا چیلنج دیا گیا۔مذکورہ بالا تمام مقامات مکی سورتوں میں ہیں۔پہلی مدنی سورۃ ''البقرۃ'' کی آیت زیر مطالعہ میں یہی بات بڑے اہتمام کے ساتھ فرمائی گئی کہ اگر تم لوگوں کو اس کلام کے بارے میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے (کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے) تو اس جیسی ایک سورت تم بھی موزوں کر کے لے آؤ! یہ ایک سورت سورۃ العصر کے مساوی بھی ہو سکتی تھی' سورۃ الکوثر کے مساوی بھی ہو سکتی تھی۔

﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''اور بلا لو اپنے

(۱) ''تعارف قرآن'' پر مشتمل سلسلۂ مضامین حکمت قرآن کے صفحات میں ۲۰۰۵ء کے دوران شائع ہوتا رہا ہے اور اب یہ کتابی صورت میں دستیاب ہے۔(مرتب)

سارے مددگاروں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔''

قریش کا خیال یہ تھا کہ شعراء کے پاس جن ہوتے ہیں' جو انہیں شعر سکھاتے ہیں' ورنہ عام آدمی تو شعر نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ فرمایا کہ جو بھی تمہارے مددگار ہوں' ایک اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی تم مدد حاصل کر سکتے ہو' جنات ہوں یا انسان ہوں' خطیب ہوں' شعراء ہوں یا ادیب ہوں' ان سب کو جمع کر لو اور اس قرآن جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ' اگر تم سچے ہو۔

قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنے اندر جھانکنے کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ یہاں گویا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہا جا رہا ہے کہ حقیقت میں تمہیں اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے' یہ تو تم محض بات بنا رہے ہو۔ اگر تمہیں واقعتاً شک ہے' اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو آؤ میدان میں اور اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ!

آیت ۲۴ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ ''پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو' اور ہرگز نہ کر سکو گے!''

ذرا انداز دیکھئے' کیسا تحدی اور چیلنج کا ہے! اور یہ چیلنج اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ انداز دنیا کی کسی کتاب کا نہیں ہے' یہ دعویٰ صرف قرآن کا ہے۔ کیسا دو ٹوک انداز ہے: ''پھر اگر تم نہ کر پاؤ' اور تم ہرگز نہیں کر پاؤ گے۔''

﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ﴾ ''تو پھر بچو اُس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر۔''

جہنم کے ایندھن کے طور پر پتھروں کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ اس کے دو امکانات ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کو معلوم ہے پتھر کے کوئلے کی آگ عام لکڑی کے کوئلے کے مقابلے میں بڑی سخت ہوتی ہے۔ لہٰذا جہنم کی آگ بہت بڑے بڑے پتھروں سے دہکائی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ مشرکین نے جو معبود تراش رکھے تھے وہ پتھر کے ہوتے تھے۔ مشرکین کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے ساتھ تمہارے ان معبودوں کو بھی جہنم میں جھونکا جائے گا تاکہ تمہاری حسرت کے اندر اضافہ ہو کہ یہ ہیں وہ معبودانِ باطل جن سے ہم دعائیں مانگا کرتے تھے' جن کے سامنے ماتھے ٹیکتے تھے' جن کے سامنے ڈنڈوت کرتے تھے' جن کو چڑھاوے چڑھاتے تھے!

﴿اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝﴾ ''تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔''

یہ جہنم منکرینِ حق کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اب یہاں گویا ایمان باللہ اور ایمان

بالرسالت کے بعد ایمان بالآخرت کا ذکر آ گیا۔

آیت ۲۵ ﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور بشارت دے دیجیے (اے نبیؐ!) ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے''

﴿اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''کہ ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی۔''

یہ لفظی ترجمہ ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ اس لیے کہ فطری باغ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جس میں ذرا اونچائی پر درخت لگے ہوئے ہیں اور دامن میں ندی بہہ رہی ہے' جس سے خود بخود آب پاشی ہو رہی ہے اور درختوں کی جڑوں تک پانی پہنچ رہا ہے۔

﴿كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا﴾ ''جب بھی انہیں دیا جائے گا وہاں کا کوئی پھل رزق کے طور پر (یعنی کھانے کے لیے)''

﴿قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ ''وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی ملتا تھا''

﴿وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا﴾ ''اور دیے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے۔''

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جنت میں اہل جنت کی جو ابتدائی دعوت یا ابتدائی ضیافت (نُزُل) ہو گی اس میں انہیں وہی پھل پیش کیے جائیں گے جو دنیا میں معروف ہیں' مثلاً انار' انگور' سیب' کھجور وغیرہ۔ اہل جنت انہیں دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو ہم دنیا میں کھاتے آئے ہیں' لیکن جب انہیں چکھیں گے تو ظاہری مشابہت کے باوجود ذائقے میں زمین و آسمان کا فرق پائیں گے۔ اور ایک مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ اہل جنت کو جنت میں بھی وہی پھل ملتے رہیں گے' لیکن ہر بار اُن کا ذائقہ بدلتا رہے گا۔ ان کی شکل وصورت وہی رہے گی' لیکن ذائقہ وہ نہیں رہے گا۔ لہٰذا یہ دنیا والا معاملہ نہیں ہو گا کہ ایک ہی شے کو کھاتے کھاتے انسان کی طبیعت بھر جاتی ہے۔

﴿وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ ''اور ان کے لیے اُس (جنت) میں نہایت پاکباز بیویاں ہوں گی۔''

﴿وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''اور وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

ان پانچ آیات (۲۱ تا ۲۵) میں ایمانیات ثلاثہ یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسول اور

ایمان بالآخرۃ کی دعوت آ گئی۔ اب آگے کچھ ضمنی مسائل زیر بحث آئیں گے۔

آیت ۲۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ﴾ ''یقیناً اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اُس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے۔''

کفار کی طرف سے قرآن کے بارے میں کئی اعتراضات اٹھائے جاتے تھے۔ وہ کبھی بھی اُس چیلنج کا مقابلہ تو نہ کر سکے جو قرآن نے انہیں ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ کے الفاظ میں دیا تھا' لیکن خواہ مخواہ کے اعتراضات اٹھاتے رہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کسی مصور کی تصویر پر اعتراض کرنے والے تو بہت تھے لیکن جب کہا گیا کہ یہ برش لیجیے اور ذرا اس کو ٹھیک کر دیجیے تو سب پیچھے ہٹ گئے۔ قرآن کے مقابلے میں کوئی سورت لانا تو ان کے لیے ممکن نہیں تھا لیکن اِدھر اُدھر سے اعتراضات کرنے کے لیے ان کی زبانیں کھلتی تھیں۔ اُن میں سے ان کا ایک اعتراض یہاں نقل کیا جا رہا ہے کہ قرآن مجید میں مکھی کی تشبیہ آئی ہے' یہ تو بہت حقیر سی شے ہے۔ کوئی اعلیٰ متکلم اپنے اعلیٰ کلام میں ایسی حقیر چیزوں کا تذکرہ نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں مکڑی جیسی حقیر شے کا بھی ذکر ہے' چنانچہ یہ کوئی اعلیٰ کلام نہیں ہے۔ یہاں اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔ دراصل تشبیہ اور تمثیل کے اندر مشبّہ اور مشبّہ بہٖ میں مناسبت اور مطابقت ہونی چاہیے۔ یعنی کوئی تمثیل یا تشبیہ بیان کرنی ہو تو جس شے کے لیے تشبیہ دی جا رہی ہے اُس سے مطابقت اور مناسبت رکھنے والی شے سے تشبیہ دی جانی چاہیے۔ کوئی شے اگر بہت حقیر ہے تو اسے کسی عظمت والی شے سے آخر کیسے تشبیہ دی جائے گی؟ اسے تو کسی حقیر شے ہی سے تشبیہ دی جائے گی تو تشبیہ کا اصل مقصد پورا ہو گا۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی شرم یا عار کی بات نہیں ہے کہ وہ مچھر کی مثال بیان کرے یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے۔ لفظ ''فَوْقَهَا'' (اس سے اوپر) میں دونوں معنی موجود ہیں۔ یعنی کمتر اور حقیر ہونے میں اس سے بھی بڑھ کر یا یہ کہ اُس سے اوپر کی کوئی شے۔ اس لیے کہ مکھی یا مکڑی بہرحال مچھر سے ذرا بڑی شے ہے۔

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ﴾ ''تو جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ یقیناً حق ہے ان کے ربّ کی طرف سے۔''

﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ﴾ ''اور جنہوں نے کفر کیا سو وہ کہتے ہیں کہ کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے؟''

حق کے منکر ناک بھوں چڑھا رہے ہیں اور اعتراض کر رہے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے؟ اس ضمن میں اگلا جملہ بہت اہم ہے۔

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ﴾ ''گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے اسی کے ذریعے سے بہتوں کو۔''

ان مثالوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہت سوں کو راہِ راست دکھا دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہدایت اور گمراہی کا دار و مدار انسان کی اپنی داخلی کیفیت (subjective condition) پر ہے۔ آپ کے دل میں خیر ہے' بھلائی ہے' آپ کی نیت طلبِ ہدایت اور طلبِ علم کی ہے تو آپ کو اس قرآن سے ہدایت مل جائے گی' اور اگر دل میں زیغ ہے' کجی ہے' نیت میں ٹیڑھ اور فساد ہے تو اسی کے ذریعے سے اللہ آپ کی گمراہی میں اضافہ کر دے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کسی کو ہدایت دینا اور کسی کو گمراہی میں مبتلا کر دینا الل ٹپ نہیں ہے' کسی قاعدے اور قانون کے بغیر نہیں ہے۔

﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾ ''اور نہیں گمراہ کرتا وہ اس کے ذریعے سے مگر صرف سرکش لوگوں کو۔''

اس سے گمراہی میں وہ صرف انہی کو مبتلا کرتا ہے جن میں سرکشی ہے' تعدی ہے' تکبر ہے۔ اگلی آیت میں اُن کے اوصاف بیان کر دیے گئے۔

آیت ۲۷ ﴿الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠﴾ ''جو توڑ دیتے ہیں اللہ کے (ساتھ کیے ہوئے) عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد۔''

اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا عہد ''عہد الست'' ہے' جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں آئے گا۔ یہ عہد عالم ارواح میں تمام ارواحِ انسانیہ نے کیا تھا' ان میں مَیں بھی تھا' آپ بھی تھے' سب تھے۔ الغرض تمام کے تمام انسان جتنے آج تک دنیا میں آ چکے ہیں اور جو قیامت تک ابھی آنے والے ہیں' اس عہد کے وقت موجود تھے' لیکن صرف ارواح کی شکل میں تھے' جسم موجود نہیں تھے۔ اور یہ بات یاد رکھیے کہ انسان کا روحانی وجود مکمل وجود ہے اور اوّلاً تخلیق اُسی کی ہوئی تھی۔ ''عہد الست'' میں تمام بنی آدم سے اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟) سب نے ایک ہی جواب دیا: بَلٰی (کیوں نہیں!) تو یہ جو فاسق ہیں' نافرمان ہیں' سرکش ہیں' انہوں نے اس عہد کو توڑا اور اللہ کو اپنا مالک'

اپنا خالق اور اپنا حاکم ماننے کی بجائے خود حاکم بن کر بیٹھ گئے اور اس طرح کے دعوے کیے: ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ﴾ ''کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟'' غیر اللہ کی حاکمیت (sovereignty) کو تسلیم کرنا سب سے بڑی بغاوت' سرکشی' فسق اور نافرمانی ہے' خواہ وہ ملوکیت کی صورت میں ہو یا عوامی حاکمیت (Popular Sovereignty) کی صورت میں۔

﴿وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ ''اور کاٹتے ہیں اُس چیز کو جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے''

اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے' یہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ مال کی طلب میں' اُس کے مال کو ہتھیانے کے لیے بھائی بھائی کو ختم کر دیتا ہے۔ انسان اپنی ذاتی اغراض کے لیے' اپنے تکبر اور تعلّی کی خاطر تمام اخلاقی حدود کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ ہماری شریعت کا فلسفہ یہ ہے کہ ہمیں دو طرح کے تعلقات جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک تعلق ہے بندے کا اللہ کے ساتھ۔ اس کا تعلق ''حقوق اللہ'' سے ہے۔ جبکہ ایک تعلق ہے بندوں کا بندوں کے ساتھ۔ یہ ''حقوق العباد'' سے متعلق ہے۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ اُسے حاکم اور مالک سمجھو اور خود اُس کے بندے بنو۔ جبکہ انسانوں کا حق یہ ہے کہ: ((كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) ''سب آپس میں بھائی بھائی ہو کر اللہ کے بندے بن جاؤ۔''(۱) اس ضمن میں اہم ترین رحمی رشتہ ہے' یعنی سگے بہن بھائی۔ پھر دادا دادی کی اولاد میں تمام چچازاد وغیرہ (cousins) آجائیں گے۔ اس کے اوپر پردادا پردادی کی اولاد کا دائرہ مزید وسیع ہو جائے گا۔ اسی طرح اوپر چلتے جائیں یہاں تک کہ آدم وحوا پر تمام انسان جمع ہو جائیں گے۔ تو رحمی رشتہ کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں فاسقین کی دو صفات بیان کر دی گئیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے یہ انہیں قطع کرتے ہیں۔

﴿وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔''

متذکرہ بالا دونوں چیزوں کے نتیجے میں زمین میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ انسان اللہ کی اطاعت سے باغی ہو جائیں یا آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگیں تو اس کا نتیجہ فساد فی الارض کی صورت میں نکلتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري' كتاب الادب' باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر وباب الهجرة۔ وصحيح مسلم' كتاب البر والصلة والآداب' باب تحريم التحاسد والتباغض والتدابر۔

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ''یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔''
یہی لوگ ہیں جو بالآخر آخری اور دائمی خسارے میں رہنے والے ہیں۔

آیت ۲۸ ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ﴾ ''تم کیسے کفر کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے' پھر اُس نے تمہیں زندہ کیا۔''

﴿ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ ''پھر وہ تمہیں مارے گا' پھر جلائے گا' پھر تم اُسی کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔''

اس مقام پر ایک بڑی گہری حکمت اور فلسفے کی بات بیان کی گئی ہے جو آج نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہے۔ وہ یہ کہ ہم دنیا میں آنے سے پہلے مردہ تھے (كُنْتُمْ اَمْوَاتًا)۔ اس کے کیا معنی ہیں؟

یہ مضمون سورۃ غافر رسورۃ المؤمن میں زیادہ وضاحت سے آیا ہے' جو سورۃ البقرۃ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ لہٰذا یہاں اجمالی تذکرہ ہے۔ وہاں اہل جہنم کا قول بایں الفاظ نقل ہوا ہے: ﴿رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ ''اے ہمارے ربّ! تو نے دو مرتبہ ہم پر موت وارد کی اور دو مرتبہ ہمیں زندہ کیا' اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے' تو اب یہاں سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟''
اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ انسان کی تخلیقِ اوّل عالمِ ارواح میں صرف ارواح کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ احادیث میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ)) [متفق علیہ] یعنی ارواح جمع شدہ لشکروں کی صورت میں تھیں۔ ان ارواح سے وہ عہد لیا گیا جو ''عہد الست'' کہلاتا ہے۔ پھر انہیں سلا دیا گیا۔ یہ گویا پہلی موت تھی جو ہم گزار آئے ہیں۔ (آپ جانتے ہیں کہ مُردہ معدوم نہیں ہوتا' بے جان ہوتا ہے' ایک طرح سے سویا ہوا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں موت اور نیند کو باہم تشبیہہ دی گئی ہے۔) پھر دنیا میں عالمِ خلق کا مرحلہ آیا' جس میں تناسل کے ذریعے سے اجسادِ انسانیہ کی تخلیق ہوتی ہے اور اُن میں ارواح پھونکی جاتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث کے مطابق رحمِ مادر میں جنین جب چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو اُس میں وہ روح لا کر پھونک دی جاتی ہے۔ یہ گویا پہلی مرتبہ کا زندہ کیا جانا ہو گیا۔ ہم اِس دنیا میں اپنے جسد کے ساتھ زندہ ہو گئے' ہمیں پہلی موت کی نیند سے جگا دیا گیا۔ اب ہمیں جو موت آئے گی وہ ہماری دوسری موت ہو گی اور اس کے نتیجے میں ہمارا جسد وہیں چلا جائے گا جہاں سے آیا تھا (یعنی مٹی میں) اور ہماری روح بھی

جہاں سے آئی تھی وہیں واپس چلی جائے گی۔ یہ فلسفہ وحکمتِ قرآنی کا بہت گہرا نکتہ ہے۔

آیت ۲۹ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ ''وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ بھی زمین میں ہے۔''

اس آیت میں خلافت کا مضمون شروع ہو گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ((اِنَّمَا الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ)) ''یہ دنیا تمہارے لیے بنائی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے بنائے گئے ہو۔'' اگلی آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی کا ذکر ہے۔ گویا زمین میں جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے وہ انسان کی خلافت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ ''پھر وہ متوجہ ہوا آسمانوں کی طرف اور انہیں ٹھیک ٹھیک سات آسمانوں کی شکل میں بنا دیا۔''

یہ آیت تا حال آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ سات آسمانوں کی کیا حقیقت ہے' ہم ابھی تک پورے طور پر اس سے واقف نہیں ہیں۔

﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ ''اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

اُسے ہر شے کا علمِ حقیقی حاصل ہے۔

❁ ❁ ❁

بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کی تازہ ترین تالیف

تعارفِ قرآن

مع

عظمتِ قرآن

❁ سفید کاغذ ❁ عمدہ طباعت ❁ دیدہ زیب ٹائٹل

❁ صفحات : 176 ❁ قیمت : 90 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور